المرشد

جلد ۴ شمارہ ۹ | دینی، اصلاحی اور علمِ سلوک و تصوّف کا واحد مجلّہ | ماہ رمضان المبارک مطابق جولائی ۱۹۸۳ء

ماہنامہ

المرشد

چکوال
جہلم

رابطہ کے لئے "دار العرفان" منارہ

سرپرست اعلیٰ: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ

مدیر مسئول:

- پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے عربی اسلامیات

مجلس ادارت (اعزازی)

- پروفیسر بنیاد حسین نقوی بی اے (آنرز) ایم اے
- مولانا محمد اکرم ملک منارہ (جہلم)
- پروفیسر باغ حسین کمال ایم۔ اے
- حافظ عبدالقیوم بی۔ اے

بدلِ اشتراک

زر سالانہ ۳۵/- ششماہی ۱۸/۰ فی کاپی ۳ روپے
بیرون ممالک ۱۰۰ روپے

سول ایجنٹ
مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

اس شمارہ میں

		صفحہ
★ - اداریہ	مدیر	۲ تا ۴
★ - اسرار التنزیل	مولانا محمد اکرم ملک	۵ تا ۹
★ - چراغِ مصطفوی	پروفیسر حافظ عبدالرزاق	۱۰ تا ۱۶
★ - تصوف و سلوک	مولانا عبدالباری ندوی	۱۷ تا ۲۸
★ در پریشان حالی	فیض الرحمان	۲۹ تا ۳۷
★ دیکھتا چلا گیا	سیلانی	۳۸ تا ۴۴
★ رفع الشکوک	پروفیسر عبدالرزاق	۴۵ تا ۴۹
★ لیلۃ القدر	قاضی محمد اسلم	۵۰ تا ۵۲

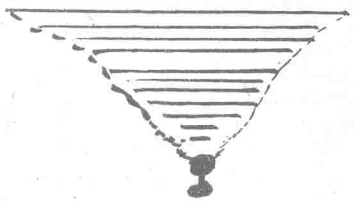

حافظ عبدالرزاق پبلشر نے منہاج الدین اصلاحی پرنٹر شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال جہلم سے شائع کیا

اداریہ

رمضان المبارک

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ آگیا۔ اس کا استقبال مختلف انداز سے ہوگا۔ کچھ ایسے خوش قسمت مسلمان ہیں جو اس کے لئے چشم براہ تھے۔ کیونکہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک تو شہراللہ یعنی اللہ کا مہینہ قرار دیا۔ دوسرا اس کی برکات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ھو شھر اولہ رحمۃ واوسطہ مغفرۃ وآخرہ عتق من النیران۔ یعنی یہ وہ مہینہ ہے کہ اس کا ہر ایک حصہ برکتوں سے پُر ہے۔ مگر ہر حصہ کی خصوصیت جُدا گانہ ہے۔ اس کا ابتدائی عشرہ سراپا رحمتِ خداوندی ہے دوسرا عشرہ اللہ تعالےٰ کے دریائے مغفرت کی جولانیاں دکھانے کے لئے ہے۔ اور اس کا آخری حصہ (عشرہ) یہ خاصیت رکھتا ہے کہ اس کے حقوق ادا کرنے والا اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا لینے کا مستحق ہوسکتا ہے

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انداز سے اس کا استقبال کرنے والوں کے لئے ایک عظیم بشارت سُنائی ہے کہ من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہٗ ماتقدم من ذنبہٖ۔ یعنی جس نے رمضان کے روزے پورے یقین اور اپنا محاسبہ کرتے ہوئے رکھے اس کے گذشتہ گناہ معاف فرما دئے گئے۔

اس سے بڑھ کر رحمت، برکت، سعادت اور عظمت اور کیا ہو سکتی ہے اللہ تعالےٰ نے اس مہینے کی عظمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

شھر رمضان الذی انزل فیہ القراٰن ھدی للناس وبیّنٰت من الھدیٰ والفرقان۔

"یعنی رمضان کی عظمت کا اندازہ اس امر سے کرو کہ اس میں قرآن کا نزول ہوا۔ وہ قرآن جو کتابِ ہدایت ہے اور ایسی ہدایت کہ قیامت تک پیدا ہونے والے ہر انسان کے لئے ایسی رہنمائی کا سامان پیش کرتی ہے کہ انسان کو انسان بن کر زندہ رہنے کے لئے۔ اس سے ہٹ کر کسی اور جگہ سے ہدایت کا سبق لینے کی ضرورت نہیں۔"

پھر یہ کتاب حق اور باطل، صحیح اور غلط، مفید اور مُضر، جائز اور ناجائز میں تمیز کرنا سکھاتی ہے۔

اللہ تعالےٰ کی خصوصی رحمت کا اندازہ اس سے کرو کہ حضور اکرم صلعم نے فرمایا کہ اس مہینے میں سرکش شیطانوں کو قید کر دیا جاتا ہے تاکہ اطاعتِ الٰہی، عرفان حق اور اتباعِ سُنّت کی راہ میں یہ بڑی رکاوٹ جو تمہارے امتحان کے لئے رکھی گئی ہے وہ بھی ہٹا لی جاتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ جب شیطان مقیّد ہے تو اس مہینے کے دوران لوگ گناہ کیوں کرتے ہیں واقعی تعجب کی بات ہے مگر اس کی وجہ سمجھنے کے لئے شیطان کے طریقۂ واردات پر غور کر لیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے۔

۱۔ شیطان جنوں کی نسل سے ہے وہ براہِ راست مومن کے دل پر حملہ کرتا ہے یوسوس فی صدور الناس۔ پھر بُرائی کو سجا کر اور دلکش بنا کر

پیش کرتا ہے۔

۲- جو انسان اس کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں ان کی ایسی تربیت کرتا ہے کہ وہ انسان ہو کر شیطان کی پوری پوری نمائندگی کرتے ہیں۔

۳- انسان کے اندر خود اس کا نفس اس کا ہر وقت کا ساتھی اور شیر ہے۔ جب انسان کا نفس شیطان کے تابع ہو گیا۔ گویا انسان کے اندر شیطان کا ایک مستقل اور ہمہ وقتی ایجنٹ بن گیا۔ لہذا شیطان جو جنوں میں سے ہے اسے مقید کر دیا جاتا ہے مگر وہ انسان تو آزاد ہی ہوتے ہیں جو پوری مستعدی سے شیطان کی غیر حاضری میں اس کا کام کرتے رہتے ہیں۔ اور شیطان کا دوسرا ایجنٹ نفس امارہ۔ شیطنت کے فرائض سے غافل نہیں ہوتا آپ دیکھتے ہیں کہ بال کو ہٹ لگائی جائے تو وہ دور تک لڑھکتا چلا جاتا ہے۔ اس کو جو مومینٹم مل جاتا ہے وہ اسی وقت ختم ہوتا ہے جب اسے روک لیا جائے اس لئے جو انسان شیطان کے ہاتھ میں گیند بن جاتے ہیں انہیں وہ ہٹ لگا کر الگ ہو جاتا ہے۔ برائی کو جو مومینٹم اس ہٹ سے ملتا ہے اسے اگر روکنے کی تدبیر نہ کی جائے تو برائی کا سلسلہ بدستور قائم رہتا ہے۔

شیطان کے مقید ہونے کے باوجود برائی کے جاری رہنے کی یہ وجوہات ہیں۔

اللہ تعالےٰ ہمیں رمضان کی برکات سے جھولیاں بھر لینے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

———

(مدیر)

مسلسل

اسرار التنزیل

مولانا محمد اکرم صاحب منادری

سورۃ عبس:

مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے اثبات آخرت اور قدرتِ باری پہ ایک انوکھے انداز میں بحث ہوتی ہے ہر سورۃ ایک بہت ہی اہم موضوع اور ایک واضح اصول بیان کرتی ہے کہ عند اللہ مومن کے لئے عظمت ہے خواہ وہ بظاہر غریب و مسکین ہی کیوں نہ ہو اور کافر کی مدائی برابر بھی وقعت نہیں خواہ وہ بادشاہِ وقت بھی ہو وہ اس طرح کہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روسائے مکہ میں سے چند سربرآوردہ لوگ آ بیٹھے اور آپ کے ارشادات کو سننے لگے جن میں عتبہ و شیبہ ابی ابن خلف ابو جہل ابن ہشام اور عباس بن عبد المطلب عم رسول اللہ جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے شامل تھے تو یہ وہ لوگ تھے کہ آپؐ کے قریبی رشتہ دار بھی تھے اور سردار اس پائے کے تھے کہ اگر یہ مسلمان ہو جاتے تو مکہ مکرمہ میں اسلام جس قدر کمزور نظر آتا تھا اس سے زیادہ طاقتور نظر آنے لگتا۔ نیز ابتدائے دعوت میں تو یہ لوگ بات سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے تو حضورؐ بڑی شفقت سے اور کامل توجہ سے انہیں سمجھا رہے تھے کہ ایک صحابی عبد اللہ نامی جنہیں ابن ام مکتوم کہا جاتا ہے اور جو قطعاً نابینا تھے

تشریف لائے اور خدمتِ عالیہ میں عرض کیا۔ ارشد نی یا رسول اللہ یا بعض حضرات نے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں علمنی مما علمك اللہ یارسول اللہ تو بہر حال آپؐ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا درآنحالیکہ آپ روسائے مکہ کی طرف متوجہ تھے۔ اور اپنے الفاظ تین بار دہرائے ایک تو یہ بات آداب محفل کے بھی خلاف تھی دوسرے وہ پکے مومن اور ہمیشہ کے حاضر باش تھے پھر بھی پوچھ سکتے تھے سو حضور انور کو یہ بات گراں گزری رُخِ انور پہ ناراضگی کے آثار پیدا ہوئے نیز آپ نے رُخ انور اس کی طرف سے پھیر لیا۔ غرض جونہی یہ محفل ختم ہوئی آپ تشریف لے جانے کو اٹھے کہ نزول وحی شروع ہوا اور یہ سورت اُتری جسے حدیثِ دیگراں کے پیرائے میں اللہ کریم نے اپنے محبوب سے شکایت فرمائی کہ تیوری چڑھائی کسی نے اور منہ پھیر لیا اس وجہ سے کہ اس کے پاس اندھا آیا اس شکایت میں ہر دو جانب کا عذر بھی کمالِ شفقت سے ارشاد فرمایا کہ آنکھیں نہ ہونے کی وجہ سے وہ محفل میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو پہچاننے سے قاصر تھے اور حضورؐ نے بھی زبانی کوئی تلخ لفظ ارشاد نہ فرمایا البتہ رُخِ انور پہ آثار ناپسندیدگی کا پیدا ہونا امر طبعی تھا اور رخِ انور کا پھیر لینا بھی اندھے آدمی کے لئے رنجش کا سبب نہ تھا کہ وہ دیکھ نہیں رہا تھا۔ مگر اللہ کریم کو آپ کی عظمت بیان کرنا تھی اسی واقعہ پر کردی کہ اے میرے محبوب میرے نزدیک ان بڑے بڑے سرداروں کی نسبت جو آپ کے مخالف ہیں اس اندھے اور بے کس کی عزت بہت زیادہ ہے جو آپ کا خادم اور آپ سے تعلق رکھنے والا ہے۔

چونکہ صحابہ کی عزت کا سبب صحبت رسولؐ ہے اس لئے ان کی عظمت اصول دین میں سے ہے اگر کوئی عظمت صحابہؓ کا انکار ہی کردے تو وہ اصول دین کا انکار کرنے والا ہوگا اور اگر عظمت صحابہ کو ٹھیس پہنچائے تو گویا اس نے دین کے اصولوں میں سے ایک عظیم اصول کو ٹھیس پہنچائی کہ یہی لوگ رسول اللہ اور اُمتِ رسول کے درمیان کی کڑی ہیں نیز علماء کرام کو بھی یہ جان لینا چاہیئے کہ کفار کو قائل کرنے کے لئے ایسی

ایسی تحریریں جن میں مسلمانوں کے دل آزاری ہو جائز نہیں کیا۔ نیز فرمایا اے میرے محبوب تجھے کیا خبر کہ تیری محفل سے وہ کیا کچھ لے کر اٹھے۔ اور تزکیہ جو نام ہے باطن کی صفائی اور نورانیت کا اسے کس قدر حاصل ہو۔ کتنے مکاشفاتِ غیب اور کس قدر اسرار دین کو سمیٹ کر اٹھے۔ بخلاف ان کے کہ جو دلوں میں کدورت و کجی لئے بیٹھے ہیں اور وہ اپنی بدبختی کو لے کر اٹھ جائیں گے تو تزکیہ چونکہ از قسم ثمرات ہے اور ثمرات وہبی ہوتے ہیں اور مجاہدات کسبی۔ نماز، روزہ، حج زکواۃ یا ذکر و اذکار اور مراقبے یہ سب مجاہدات ہیں اب ان کو قبول کر کے واقعی باطنی نور عطا کرنا اور پھر مختلف لوگوں کو مختلف درجوں کا قرب بخشش دینا یہ وہبی شے ہے اور ثمر ہے جیسے میاں محمدؒ صاحب نے فرمایا ہے ؎

مالی دا کم پانی دینا بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم پھل پھل لانا لاوے یا نہ لاوے

تو یہ کس قدر انعامات کو سمیٹ کر اٹھے پھر دوسرا درجہ ہے کہ وہ دل تو چوٹ کھا جائے جو پہلے سے آپ کی الفت کا شکار ہے وہ مزید تڑپ سمیٹ لے اور یہ نصیحت حاصل کرے یا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یہ ذکر کرنے لگ جائے اور وہ ذکر اس کو نفع بخشے۔ یعنی ان ثمرات کے حصول کا ذریعہ بن جائے یعنی دو میں سے ایک بات تو ضرور ہو گی کہ یہ قضیہ مانعۃ الخلو ہے اور مانعۃ الجمع نہیں ممکن ہے عطائے باری سے دونوں بھی حاصل کرے ویسے یہ تو ممکن ہی نہیں کہ ایماندار دل آپ کے پاس لائے اور پھر اسے ترقی نصیب نہ ہوئے اور یہ اثر صحبت رسول ہے اسی لئے شیخ کی صحبت میں کثرت سے رہنا حصول مقاصد کا سبب ہے اب پھر روئے سخن کفار کی طرف کر کے اپنی شان بے نیازی دکھلائی کہ اے میرے حبیبؐ آپ کو کیا فکر کہ یہ لوگ کیوں درست نہیں ہوتے آپ نے تو اللہ کی بات پہنچانی تھی پہنچا دی اب اللہ کو نہ ماننے والوں کی کچھ پرواہ نہیں لیکن جو شخص دنیا دی مجبوریوں کی وجہ سے باوجود خوف و خطر کو خاطر میں نہ لا کر رستے کی ٹھوکروں سے بے نیاز اور درد بھرا دل لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ اسے مؤخر فرمائیں یہ بات آپ کی شانِ کریمی کے شایاں ہیں

اور ہرگز نہیں یہ تو ایک نصیحت ہے اللہ کی طرف سے دعوت ہے اللہ نے کسی کو مجبور نہیں کیا جو چاہتا ہے اپنی پسند سے قبول کرلے۔ نیز اس دعوت کو کسی انسان سے عزت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں کہ سرداروں کے ماننے سے کچھ اس کی عظمت میں اضافہ ہو بلکہ یہ انسان کو عزت عطا کرنے والی ہے جو مانے گا وہ خود معزز ہوجائے گا یہ تو اللہ کا ذاتی کلام ہے اور اپنے جلو میں تجلیات ذاتی کو لئے ہوئے ہے جنہیں ارض وسما نہیں برداشت کر سکتے وہ تحفے قلبِ مومن کے لئے ہیں اور یہ بہت عزت اور عظمت والے صحیفوں میں جو بڑی عظمت سے رکھے ہیں یعنی لوحِ محفوظ یا بیت العزت میں اور ان ہاتھوں سے لکھا جاتا ہے جو بہت ہی معزز ہیں عند اللہ اور بڑے نیکوکار ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ لوحِ محفوظ سے نقل کرنے والے فرشتے ان سے لے کر مخلوق تک پہنچانے والے اللہ کے نبی اور نزول وحی کے وقت لکھنے والے کاتبان وحی اور قیامت تک اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے دین کو پھیلانے والے علماء اپنے اپنے درجہ کے مطابق شامل ہیں اور انبیاء کے بعد ان صحابہ کی عظمت مسلم ہے جنہیں کتابتِ وحی کا شرف حاصل ہوا ہے۔ جن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں جن کی بہن زوجۂ رسولؐ جنھیں حضورؐ نے جنت کی بشارت دی اور جن کے حق میں فرمایا اللھم جعلہ ھادیاً مھدیا اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم اور جن پہ آج دعوے اہل سنت کے ساتھ زبان طعن بھی کھولی جاتی ہے۔ اللھم احفظنا من سوء الاعتقاد

اب قدرت باری اور قیام قیامت کے دلائل کی طرف موضوع پلٹا تو فرمایا لعنت ہو آدمی پر جو بغیر کسی دلیل کے ناشکری اختیار کرتا ہے۔ ذرا اپنی تخلیق کے عمل کو تو دیکھے کہ ایک ناپاک بوند سے جو ایک پیشاب کی راہ سے نکل کر دوسری راہ میں چلی جاتی ہے اللہ نے اسے پیدا فرمایا اور پھر کس قدر متناسب جسم خوبصورت شکل موزوں اعضاء اور ضروری قوت عطا فرمائی بلکہ اس کا پورا پروگرام مقرر فرمادیا کہ شکم مادر میں ہی عمر رزق عمل اور سعادت یا شقاوت مقدر کردی اور بے شمار تخلیق تبدیلیوں کے بعد اسے دنیا میں آنے کی آسانی بخشی اور نہ صرف پیدا ہونے راہ آسان کی بلکہ زندگی بسر کرنے کا پورا

پروگرام بخشا جو درست اور سہل بھی ہے اور انجام کے لحاظ سے اللہ کی رضا کو پانے والا بھی اور پھر اس پر موت مقرر کی کہ قواء کا ضعف اسے دنیا میں زمین پر بوجھ بنا دے تو وہ دوسری دنیا میں پہنچنے کی راہ ہے الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب اور وصال باری اور نعمت ہائے عقبیٰ کو پانے کا دروازہ موت ہے پھر بعد از موت بھی اس کے وجود کی عزت برقرار رکھی اور دفن کا طریقہ مقرر فرمایا کہ اس کی بے حرمتی نہ ہوتی رہے۔

یہاں صاحب معارف القرآن فرماتے ہیں فَاَقْبَرَهٗ سے واضح ہے کہ مُردہ کو دفن کرنا واجب ہے۔ اور پھر جب اللہ چاہے گا اسے دوبارہ کھڑا کر دے گا کہ اسے اطاعتِ خداوندی کا انعام بخشے کیا رحمتِ باری ہے کہ دُنیا میں بھی عزت وعظمت اور آرام وسکون سے رہنے کا ڈھنگ سکھایا اور جس کسی نے اس پر عمل کیا اسے پھر انعامات سے نوازتے ہیں۔ مگر یہ ایسا ناشکرا ہے کہ ارشادات باری کو بھی بجا نہ لایا۔ اسے آخرت پر اشکال رہا حالانکہ یہ صنعت باری کو دیکھتا ہے اپنی روز مرہ کی غذا کو ہی دیکھے کہ ہم نے آسمان سے پانی برسا کر کس طرح زمین کے سینے کو شق کیا اور اس میں سے مختلف النوع اجناس، پھل ترکاریاں زمیتون اور کھجوریں گھنے باغات ہوئے اور گھاس پھونس کو پیدا فرمایا جس کے لئے کوئی کاری گر لانے پڑے نہ مختلف رنگوں کی ضرورت پڑی بلکہ ایک ہی پانی سے ایک ہی قطعہ زمین پر یہ سب چیزیں ایک ہی وقت میں مختلف رنگ خوشبو ذائقے اور متعدد تاثیرات لے کر ہوگئیں اسی طرح جب صور کی شدید اور سخت آواز آئے گی تو تمام مخلوق کو زمین کے سینے سے کھڑا کر دے گی اور بہت سخت اور نفسا نفسی کا دن ہوگا کہ آدمی بھائی تو بھائی ماں باپ حتیٰ کہ بیوی اور بچوں تک سے بھاگ جائے گا اور ان کے کام آنے کا خیال نہ کرے گا۔ بلکہ ہر انسان کو اپنا فکر اس قدر دامن گیر ہوگا کہ اسے دوسرے عزیزوں تک کے فکر سے بے پرواہ کر دے گا ایک بار حضورؐ نے فرمایا کہ لوگ ننگ دھڑنگ بغیر لباس قبروں سے اٹھیں گے تو حضرت صدیقہؓ نے عرض کی کیا لوگ ایک دوسرے کو برہنہ دیکھیں گے فرمایا کسی کو کسی کے دیکھنے کا ہوش کب ہوگا پھر اس روز کتنے چہرے ایسے ہوں گے جو روشن ہوں گے اور ان سے انوارات اُٹھ رہے ہوں گے نیز ہنستے ہوں گے خوشیاں مناتے ہوئے اور کتنے ایسے ہوں گے جن پر گرد اُڑ رہی ہوگی یہ حال ان لوگوں کا ہوگا جنہوں نے ان تمام دلائل کو پس پشت ڈال کر کفر کی راہ اختیار کی۔

چراغِ مصطفویؐ

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے اسلامیات

۱۔ حدیث: عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رغم انفہٗ رغم انفہٗ رغم انفہٗ قیل من یا رسول اللہ قال من ادرک والدیہ عند الکبر احدھما او کلاھما ثم لم یدخل الجنۃ۔

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ فرمایا اس کی ناک غبار آلود ہوئی یعنی وہ خاک میں مل گیا پوچھا گیا یارسول اللہ کون؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے میں پائے اور پھر بھی جنت حاصل نہ کر سکے۔"

تشریح: ہر انسان فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ اسے آرام و راحت کی زندگی بسر کرنے کا موقع میسر آئے اور وہ راحت و آرام ایسا ہو کہ اسے زوال نہ آئے مگر بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی یہ توقعات پوری ہوں۔

پھر انسان اس مقصد کے حصول کے لئے حد درجہ کی محنت اور مشقت کرنے کے لئے آمادہ نظر آتا ہے بلکہ فی الواقعہ مشقت اُٹھاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مگر کامیاب کم ہی نظر آتے ہیں۔

اس فطری خواہش کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں نہیں کہ راحت و آرام کے لیئے انسان کی نگاہ اس چند روزہ زندگی راحت سے

سے آگے نہیں جاتی۔ وہ لوگ تو خال خال نظر آتے ہیں جن کی نگاہ میں اس عارضی زندگی کے آگے ایک مستقل اور ابدی زندگی ایک حقیقت بن کے موجود رہتی ہے اور وہ اسی ابدی زندگی کی راحتوں کے لئے تدبیریں بھی سوچتے ہیں اور محنت بھی کرتے ہیں یہی لوگ صحیح معنوں میں عاقبت اندیش ہیں بلکہ سچ پوچھئے تو انسان کا لفظ ایسے لوگوں کے لئے موزوں ہے ورنہ یہاں کی راحت و آرام کا خیال تو کسی حد تک ڈنگر ڈھور بھی رکھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایک تو اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا کہ انسان وہ ہے جسے ابدی راحتوں کو سمیٹنے کی فکر ہو اور اسی ابدی راحت کے گھر کا نام جنت ہے ورنہ وہ بس مٹی کا ایک تودہ ہے جو متحرک نظر آتا ہے۔ دوسری حقیقت کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ ابدی راحت کے لئے تو انسان کو ان تھک محنت کرنے میں بھی گھاٹے کا سودا نظر نہیں آتا۔ اگر اسے کوئی تدبیر بتا دی جائے جس کے اختیار کرنے میں اسے حد درجے کی مشقت اٹھانی پڑے تو وہ اسے بڑی خندہ پیشانی سے آمادہ ہو جانا چاہیئے۔

ان دو حقیقتوں کی طرف اشارہ فرمانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحمتہ للعالمین کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دیکھو اس ابدی راحت کے حصول کے لئے میں تمہیں آسان طریقہ بتاتا ہوں کہ اپنے بوڑھے والدین کی خدمت کرو اور ابدی راحت کی ضمانت مجھ سے لو۔

یہ طریقہ دو وجہ سے آسان ہے اول یہ کہ اولاد کے دل میں فطری طور پر والدین کی خدمت کا جذبہ موجود ہوتا ہے بشرطیکہ آدمی اپنی بدتمیزی سے اس جذبہ کو خارجی تدبیروں سے ختم نہ کر دے تو معلوم ہوا کہ والدین کی خدمت کرنا اس لئے آسان ہے کہ یہ انسان کی فطرت کی پکار ہے، جیسے دیکھنا آنکھ کے لئے آسان کام ہے کیونکہ دیکھنا آنکھ کی فطرت میں ہے ہاں آنکھ سے اگر سننے کا کام لیا جائے تو یہ اس کی فطرت کے خلاف ہوگا اس لئے

مشکل ہوگا۔ دوسرا یہ کام اس لئے آسان ہے کہ یہ کسی غیر کی خدمت کرنا تو ہے نہیں کہ آدمی اس میں عار محسوس کرے بلکہ اپنے والدین ہیں انسان کو پالنے پوسنے میں ان کی قربانیوں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ آدمی آسانی سے شمار ہی نہیں کر سکتا لہذا یہ تو شرافت، احسان شناسی اور مروت کی دلیل ہے۔

یہ بشارت سنکر ایک آدمی جس کے والدین میں سے ایک ہی زندہ رہ گیا ہو وہ محسوس کرے گا کہ افسوس مجھے یہ موقعہ نہ ملا کہ ماں باپ دونوں کی خدمت کرتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کی حسرت کو پورا کرنے کی یہ تدبیر ارشاد فرمادی کہ اگر کسی ایک کی خدمت کا موقع مل جائے اور وہ اس کی خدمت کا حق ادا کرے تو میں اس کے لئے بھی جنت کی ضمانت دیتا ہوں یہ رعایت کہ کام آدھا اور اُجرت پوری کیوں ہے اس لئے کہ ؎

رحمتِ حق بہانہ می جوید رحمتِ حق بہا نمی جوید

یعنی اللہ کی رحمت تو بہانہ چاہتی یہ نہیں کہ جتنا کرو گے اتنا ہی ملے گا۔ بلکہ اُصول یہ ہے کہ کرو تم اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق اور دے گا وہ اپنی عطا اور بخشش کے مطابق۔

یہ حصہ انسانی فطرت کا وہ پہلو ہے کہ نفع کی اُمید دلائی جائے تو آدمی کام کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ کسی کام کے نہ کرنے کا نقصان بتادیا جائے جب بھی آدمی اس نقصان سے بچنے کے لئے کام کرنے پر تیار ہو جاتا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوسرے پہلو سے بھی کام پر آمادہ کرنے کا موقع جانے نہیں دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص اتنا کم ظرف اتنا ناعاقبت اندیش ایسا بخیل اور ایسا مطلب پرست ہو کہ اس حقیر سی محنت سے بھی اتنی عظیم دولت حاصل کرنے کے لیئے تیار نہ ہو اور جسے میری طرف جنت کی ضمانت دینے پر اعتماد نہ ہو۔ وہ ذلیل ہو گیا اور یہ فقرہ آپ نے تین بار دُھرایا اس سے ایک طرف تو ایسا ہونا یقینی نظر آئے گا دوسرا اسلوب یہ اختیار فرمایا کہ مستقبل میں ایک ہونے والے کام کے لئے ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا یعنی کسی کو یہ شبہ بھی نہ ہو

کہ دیکھا جائے گا خائب وخاسر ناکام ونامراد ہوگیا۔

پھر ناک کا غبار آلودہ ہونا ایک ایسی ہیئت کذائی ہے ایک ایسی صورت ہے کہ ذرا چشم تصوّر کے سامنے لاکے دیکھو۔ایک اینٹھتا اکڑتا ہوا جوان گردن بلند کئے سینہ تانے جارہا ہے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا اچانک منہ کے بل گرتا ہے راستہ کے غبار میں ناک دھنس جاتی ہے۔اُٹھ سکتا نہیں۔اب اس کی پہلی حالت کا اس حالت سے مقابلہ کرو کیا وہ مغرور انسان کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہ جائے گا۔دو لفظوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذلت کی وہ تصویر کھینچ دی کہ اس سے بہتر کوئی طرز ادا کبھی اور زبان میں مل نہیں سکتی۔

پھر اسلوب عجیب ہے کہ ذلیل ہونے والے کا نہ وصف بتایا نہ وجہ بتائی بلکہ بات کو ایک معمہ بنا دیا۔تاکہ سننے والوں کے دلوں میں اس فعل سے اور اس شخص سے انتہائی نفرت ہو۔ ایسا ہی ہوا صحابہ کرام نے بڑی بے تابی سے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون ایسا بدبخت ہے اس سوال میں تعجب بھی ہے، خوف بھی ہے اس وصف سے باز رہنے کے لئے آمادگی بھی ہے اور ایسے شخص سے بچنے کا عزم بھی ہے قربان جایئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز ادا کے۔

اس حدیث سے بلکہ اکثر احادیث اور آیات قرآنی سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے اللہ تعالےٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کام کے نتائج کو آخرت کے حوالے سے ذکر فرماتے ہیں۔اچھے کاموں کا دنیوی فائدہ برے کاموں کا دنیوی نقصان بہت کم ذکر فرماتے ہیں۔ اس میں حکمت یہ نظر آتی ہے کہ اوّل تو اخروی راحت کا حصول اور اخروی ذلت سے بچنا مقصد کی حیثیت رکھتا ہے اور مقصد کی اہمیت ظاہر ہے۔دوم یہ کہ دنیوی نفع ونقصان مشاہدے اور تجربے میں آجاتا ہے کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔اسی حدیث کے سلسلے میں آپ دیکھیں کہ جو شخص اپنے بوڑھے والدین کی خدمت میں عار سمجھنے لگے ہر شخص کی نگاہ میں وہ نہایت کمینہ اور گھٹیا شمار ہوتا ہے اور مسلم معاشرے میں نکو بن کے رہ جاتا ہے یہ ذلت اس نے تو اور کیا ہے اور ایسا آدمی خواہ کسی منصب اور مرتبے کا ہو ہر شخص کی نگاہ میں ذلیل تصور ہوگا اس لئے اللہ کے رسولؐ نے ذلت وراحت کو آخرت کے حوالہ سے ذکر فرمایا۔

(۲) حدیث: عن ابی مسعودؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس المومن بالطعان ولا باللعان - ولا الفاحش ولا البذیء

ترجمہ: حضرت ابو مسعود روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (کامل) مومن نہیں جو طعن کرنے والا ہوں اور لعنت کرنے والا ہو، یا فحش بکنے والا یا بدکلامی کرنے والا ہو۔

تشریح: مومن کی سادہ اور جامع تعریف یہ ہے کہ جو شخص دل سے پختہ یقین رکھ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا ہے وہی حق ہے اور اس کے کسی جزو میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں اسے مومن کہتے ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نظریۂ حیات کی دعوت دی اس کا نام اسلام ہے۔ اور اسلام کے معنی ہی امن، سلامتی اور اپنے آپ کو اللہ و رسول کے سپرد کر دینے کے ہیں۔ یعنی اپنی خواہشات اور اپنی پسند ناپسند کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے تابع کر دینا ہے۔ کسی کو قتل کرنا یا جسمانی ایذا پہنچانا امن کو فساد میں تبدیل کر دینا بھی ہے اور اللہ و رسول کی مخالفت بھی۔ لہذا ایسا شخص کس منہ سے مومن کہلانے کی جرأت کر سکتا ہے۔

انسان صرف اسی جسم کے ڈھانچے کا نام نہیں بلکہ اس لفافے کے اندر روح بھی موجود ہے اس لئے انسان جسم اور روح کے مجموعے کو کہیں گے جب انسانی جسم کو ایذا پہنچانا اسلام کے خلاف ہے تو انسانی روح کو تکلیف دینا کیونکر فساد کا موجب نہ ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس دوسرے موضوع کی وضاحت فرمائی ہے۔

طعن کہتے ہیں نیزہ مارنے کو۔ ظاہر ہے کہ نیزے کی نوک سے انسانی جسم زخمی ہوتا ہے اسی طرح کسی کو طعنہ دینے سے اس کی روح تڑپ اٹھتی ہے۔ اس کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔ لہذا کسی کی روح کو ایذا پہنچانے والا مومن کیسے ہوا۔ یہ تو اس امر کا اظہار ہے کہ ایسے شخص کو محمد رسول اللہ ﷺ کی بات کا ذرا پاس نہیں۔

طعن کرنے والا دراصل ایک بیماری میں مبتلا ہوتا ہے اور بیماری بھی مہلک یعنی اس میں اپنی بڑائی کا احساس ہوتا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ یعنی تکبر ہے اور تکبر تو شیطان کا خاصہ ہے، شیطان کی پیروی کرنے سے ایمان کہاں رہ سکتا ہے۔

دوسری برائی کسی پر لعنت کرنا ہے۔ لعنت کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے محرومی اور اللہ سے دوری۔ جو شخص دوسرے پر لعنت کرتا ہے وہ اس ایک فعل سے کئی جرموں کا ارتکاب کرتا ہے۔ اول یہ کہ وہ جھوٹ بولتا ہے کیا اللہ نے اسے بتایا کہ جس شخص پر تم لعنت کر رہے ہو وہ میری رحمت سے محروم ہے اگر نہیں بتایا تو ظاہر ہے کہ اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا دوسرا یہ کہ وہ اپنے آپ کو پاکباز اور پہنچا ہوا آدمی سمجھتا ہے یہ تکبر ہے اور سراسر فریب نفس ہے۔ تیسرا یہ کہ اس نے دوسرے کو حقیر سمجھا یہی وہ چیز ہے جس نے ابلیس کو راندۂ درگاہ بنا دیا۔ اس نے یہی تو کہا تھا کہ میں آدم سے بہتر ہوں ـــ تیسری برائی فحش بکنا ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں ایک تو گالی دینا جو انسانیت اور شرافت سے گری ہوئی باتیں ہوں۔ تیسری بے حیائی کی باتیں کرنا۔ غرض بکنے کا میدان بڑا وسیع ہے اسی لئے کسی عارف نے کہا ہے۔ ع "کہنے کی ایک حد ہے بکنے کی حد نہیں ہے"۔ اور اگر کوئی شخص فحش بکنا عادت بنا لے یا اسے عبادت سمجھنے لگے تو ایسے شخص کا ایمان اور اسلام سے دور کا تعلق بھی نہیں رہتا۔ لہٰذا مومن بننے کے لئے ضروری ہے کہ انسان ان تینوں برائیوں سے بچنے کا پورا پورا اہتمام کرے۔

عن عبد اللہ بن مسعود۔ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتالہٗ کفر،

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے،

تشریح: اسلام نام ہے اللہ و رسول کی فرمانبرداری کا۔ اسلام کی ضد یا الٹ دو چیزیں ہیں۔ ایک ہے نافرمانی اس کو فسق کہتے ہیں دوسری چیز ہے صاف انکار اس کو کفر کہتے ہیں نافرمانی اور انکار میں بڑا فرق ہے نافرمانی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آدمی اللہ و رسول کے حکم کو برحق تسلیم کرتا ہے مگر کسی وقتی جذبہ مثلاً غصہ یا مخالفت کی وجہ سے جذبات سے مغلوب ہو کر اللہ و رسول کے حکم کے خلاف کر بیٹھتا ہے پھر جب ہوش آتی ہے تو

نادم ہوتا ہے توبہ کرتا ہے مگر کفر کی صورت یہ ہے کہ آدمی کو سرے سے اللہ و رسول کی بات پر یقین ہی نہیں کرتا۔ باتیں دونوں بُری ہیں مگر دوسری بات تو اتنی بُری ہے کہ اس کے آگے برائی کا کوئی اور درجہ نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھوٹی اور بڑی دونوں برائیوں کی حقیقت واضح فرمادی کہ اوّل مسلمان کو گالی دینا اللہ و رسول کی نافرمانی یعنی فسق ہے اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے مسلمان کی عزت و تکریم کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو ایذا پہنچانے سے منع فرمایا ہے گالی دینا مسلمان کی توہین کرنا بھی ہے اور اس کو ذہنی ایذا پہنچانا بھی ہے اور اس کو حقیر سمجھنا اور ذلیل کرنا بھی ہے اور یہ سب باتیں اللہ کی نافرمانی کی باتیں ہیں۔ مگر اس درجہ کی ہیں کہ انسان کو جب یہ یاد آجائے کہ اللہ اور رسول سے میرا ایک تعلق ہے تو وہ توبہ کرکے اللہ سے معافی مانگ سکتا ہے اور جس کو گالی دی ہے اس سے بھی معافی مانگ کر اس نقصان کا ازالہ کرسکتا ہے۔ اس لئے گالی دینے کو حضور اکرمؐ نے فسق قرار دیا ہے۔

دوسری بُرائی مسلمان کو قتل کرنا ہے اس فعل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر قرار دیا ہے اسی لئے اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں یہ اعلان فرمادیا کہ جو شخص جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کرے اسکی سزا ابدی جہنم ہے اور یہ سزا صرف کافر کے لئے مقرر ہے جب اس فعل کی سزا وہ ہوئی جو کافر کی سزا ہے تو اس فعل کے کفر ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو امن اور سلامتی کی تعلیم دیتا ہے۔ کسی مسلمان کی عزت نفس کو مجروح کرنا یا اسے ذلیل و رسوا کرنا یا اس کی جان لینا اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں برائیوں سے بچنے کے لئے نہایت عمدگی سے تنبیہ فرمائی کہ ایک کا نام فسق رکھا اور دوسری کا کفر۔ اب اگر کوئی مسلمان رہ کر بھی ان سے بچنے کی فکر نہ کرے تو یہ مسلمان کا لیبل اس کے کسی کام نہ آئے گا۔

(باقی آئندہ)

المرشد کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کیونکہ
اس میں دینی اصلاحی اور علم سلوک و تصوف کے مضامین شائع ہوتے ہیں

تصوّف وسلوک

مولانا عبدالباری
ندوی

بظاہر کتنی عجیب بات ہے کہ تصوّف ایک طرف تو کمالِ دین اور درجۂ احسان ہے جو اسلام وایمان کا بلند ترین مقام ہے اور حضرت صوفیہ اور اولیاء اللہ کی نسبت تصور یہ ہے کہ ان کو حق تعالےٰ کی بارگاہ میں قرب و اقربیت اور حضور و معیت کا جو مقام حاصل ہوتا ہے وہ خالی علومِ ظاہری کے حاملین بڑے بڑے فقہا ومحدثین کو بھی نہیں ہوتا۔ ان کو اپنی زندگی کے سارے اعمال و افعال، حرکات وسکنات میں ایک ایسی نسبت میسر ہوتی ہے کہ گویا وہ ہمہ وقت اللہ کے مشاہدہ اور حضوری میں ہیں اور کسی نہ کسی مکالمہ و مناجات سے مشرف ہیں اس طرح صوفیہ سے بلند درجہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ یہ بزرگانِ دین یا اولیاء کے بارے میں عوام ہی کا عقیدہ نہیں بلکہ خواص اور محققین کے ہاں بھی کسی نہ کسی صورت میں مسلّم ہے

لیکن دوسری طرف تصوف کے متعلق اور تصوف کی راہ سے جتنی غلطیاں، غلط فہمیاں بلکہ طرح طرح کی گمراہیاں اُمت میں پھیلی ہیں، فرقِ اسلامیہ اور علوم اسلامیہ میں شاید ہی کسی فرقے یا علم وفن کی راہ سے، یا اس کے متعلق پھیلی ہوں، بدعات اور خرافات، اباحت والحاد، کفر وشرک تک کی کوئی شکل مشکل ہی سے بچی ہوگی جس کو کوئی نہ کوئی داخل تصوّف بلکہ عین تصوّف نہ جانتا ہو۔ اسی بنا پر بہت سے اکابرِ اسلام، تصوف کے سرے سے منکر ہو گئے۔ یا اسکو سراپا ضلالت قرار دیدیا

بات یہ ہے کہ کسی شے کے کمال کا تعلق ہمیشہ اس کے ظاہر سے زیادہ باطن سے کم سے زیادہ کیف سے۔ قشر سے زیادہ مغز سے جسم سے زیادہ جان سے اور صورت سے زیادہ معنی سے ہوتا ہے۔ ساتھ ہی جس شے میں جتنا زیادہ کیف، بطون یا گہرائی ہوتی ہے اتنا ہی اس کی نسبت غلطیاں اور گمراہیاں راہ پا جاتی ہیں پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جس غلطی اور گمراہی کو دین ہی نہیں

بلکہ کمالِ دین سمجھ لیا جائے۔ اس جڑ کتنی گہری ہوگی اور اس کا استیصال کتنا دشوار ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف کی راہ سے شرک والحاد تک جو گمراہیاں مسلمانوں میں جڑ پکڑ گئیں ان کو چونکہ عین دین یقین کیا جانے لگا اس لئے ان کا ازالہ آسان نہیں ہوتا۔

عوام اور بہت سے خواص، سب کو کیسے کیسے مغالطے ہیں کہ کوئی کشف و کرامات اور تصرفات کو تصوف جانتا ہے، کوئی اشغال و مراقبات اور احوال و کیفیات کو تصوف یقین کرتا ہے، کوئی خاص خاص رسوم و عادات کو تصوف سمجھتا ہے کسی کے نزدیک تصوف نام ہے ریاضت و مجاہدات اور ترک تعلقات کا کوئی فلسفی یا فلسفی مزاج، تصوف سے مراد وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے نظریات لیتا ہے اور کوئی اس کو اسرار و مغیبات کا مجموعہ قرار دیتا ہے حتی کہ اہل مغرب نے اس کا نام ہی سرّیت (مسٹزم) رکھ دیا خود مسلمانوں میں بھی بہتوں نے اس کو ایک سینہ بہ سینہ راز ہی بنا رکھا ہے اور سب گمراہیوں سے بڑی گمراہی میں وہ مبتلا ہیں جنہوں نے تصوف و طریقت، حقیقت و معرفت کو شریعت کا مقابل یا اس کی ضد گمان کر لیا ہے۔

حضرت تھانویؒ نے اس طرح کی تمام گوناگوں اغلاط کو ایک ایک کر کے دور فرمایا ہے۔ لیکن یہ تجدید تصوف کا صرف سلبی پہلو تھا اصل تجدیدی کارنامہ اس باب میں طریقت کے اس ایمانی پہلو کو واضح فرمایا ہے کہ وہ شریعت ہی کا دوسرا رُخ بلکہ عین شریعت ہے۔

تصوّف کی حقیقت

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح انسان کامل کے دو رُخ ہیں۔ ظاہر و باطن یا قلب و قالب اسی طرح دین کامل کے بھی دو رُخ ہیں۔ شریعت و طریقت جس طرح شریعت نام ہے ظاہر یا قالب کے اعمال و احکام کا اسی طرح طریقت یا تصوف نام ہے باطن یا قلب کے اعمال و احکام کا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ تصوف نام ہے باطن یا قلب کی فقہ کا جس طرح نماز روزہ وغیرہ کے ارکان و اعمال کی ایک ظاہری صورت ہے جس کے احکام فقہ میں بیان ہوتے ہیں اسی طرح خشوع و خضوع، حضور قلب، یاد دل سے حق تعالیٰ کی یاد و ذکر (اقم الصلوٰۃ لذکری) قلب و باطن کے اعمال ہیں جس طرح اکل و شرب روزہ کا ظاہر ہے اسی طرح اس کا باطن تقویٰ (لعلکم تتقون) ہے پھر جس طرح مختلف اعمال شرعیہ اپنی اپنی قالبی صورت رکھتے ہیں اسی طرح ان سب کی صحت، سقم، قبول و عدم قبول کا مدار قلبی نیتوں (الاعمال بالنیات) اور درجات اخلاص پر ہے سب سے بڑھ کر ایمان د

عقائد جن پر نجات اور ظاہر و جوارح کے سارے اعمال کی صحت و قبولیت کا مدار ہے اور جن کے بغیر نہ نماز نماز ہے نہ روزہ، روزہ ہے وہ کلی طور پر یقین و ایمان کے قلبی یا باطنی فعل کا نام ہے۔

سارے عقائد و ایمان کی جڑ توحید الٰہ یا لا الٰہ الا اللہ ہے، یعنی الوہیت و معبودیت، نفع و ضرر، فعل و اثر کی ساری مخلوق یا غیر اللہ سے نفی اور صرف اللہ تعالےٰ کے لئے اس کا اثبات۔ ظاہر ہے کہ الٰہ یا معبود وہی ہوتا ہے جسے بنایا جاتا ہے پوجا اور پرستش اسی کی ہوتی ہے اور کی جاتی ہے جس کے ہاتھ میں انسان اپنا نفع یا ضرر دیکھتا ہے اور یقین کرتا ہے غرض لا الٰہ الا اللہ پر ایمان و یقین کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہم کو موت و زندگی بیماری و تندرستی، ناداری اور تونگری، ذلت اور عزت وغیرہ کی ظاہری راہوں اور اسباب سے جو کچھ بھی نفع و ضرر پہنچتا ہے سب کا فاعل حقیقی اللہ تعالےٰ ہی کو جاننا اور ماننا۔ اور کسی فعل و اثر کا خالق غیر اللہ کو نہ سمجھنا ہمارا مسلّمہ عقیدہ ہے مگر یہ جاننا اور ماننا قلب و باطن کے فعل کے سوا کیا ہے؟ لیکن علوم و احکام ظاہر کے عالم و عامل کتنے ہیں جو نفع و ضرر یا فعل و اثر کا غیر اللہ کی طرف سے یقین اور مشاہدہ نہیں کرتے رہتے۔ کیا اس یقین و مشاہدہ کی تغلیط اور اس کو مضمحل یا فنا کر کے ہر فعل و اثر میں اللہ تعالےٰ ہی کو بالذات فاعل و موثر مشاہدہ کرنے لگتا ہے جس کو حدیث میں عبادت و بندگی کے مقام احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور جس کو اصطلاح صوفیہ میں توحید افعال سے موسوم کیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ بندگی کے تعلق کو اس طرح قائم کرنا کہ ساری زندگی اور اس کے سارے افعال و اعمال میں اسی کے مشاہدہ و ربوبیت، حضور و معیت کا علم و یقین حاصل ہو۔ کیا یہ عین دین یا کمالِ دین کے سوا کچھ اور ہے؟ بلکہ کیا یہ قلبی و باطنی علم و یقین اور ایمان سارے ظاہری عبادات و معاملات کی روح اور جان نہیں اور کیا اس روح و جان یا ایمان و عقیدہ کی صحت و حفاظت سارے اعمال و افعال سے بڑھ کر فرض و واجب نہیں۔

تصوّف نام ہے فقہ باطن

غرض تصوف یا علم باطن کی حقیقت جس کو خدا جانے لوگوں نے کیا کیا دور از کار ضال اور مضل معنی پہنا رکھے ہیں صرف یہ ہے کہ ظاہر جسم یا جوارح کے اعمال و احکام، اوامر و نواہی اور اس کے صلاح و فساد کی فقہ کا جس کے احکام کتاب و سنت دونوں میں اسی طرح منصوص ہیں جس طرح فقہ ظاہر کے۔ اور جس کی اہمیت و اقدمیت قرآن و حدیث ہی کے اشارات و تصریحات سے ثابت ہے کما قال اللہ تعالیٰ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝ اور حدیث میں اس کی شرح و تفسیر یوں فرمائی گئی ہے کہ

"خوب سمجھ لو کہ بدن کے اندر ایک لوتھڑا ہے اگر وہ سنورا اور بنا تو سارا جسم بن سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور خوب سمجھ لو کہ وہ قلب ہے"

یعنی ظاہر جسم کے اعمال و افعال کا بناؤ بگاڑ تمام تر اسی باطن قلب کے بناؤ و بگاڑ پر موقوف ہے اور تصوف یا فقہ باطن کا موضوع بحث اسی قلب کا بناؤ و سنوار اسی کی سلامتی و صحت کی حفاظت اور اسی کے فساد و بگاڑ اور بیماری کا علاج ہے۔

تصوف و طریقت کی اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اس کا دین و شریعت کے منافی یا اس سے جدا کوئی چیز ہونا تو الگ رہا بغیر صوفی ہوئے مسلمان، مسلمان ہی کب ہو سکتا ہے باقی اگر کسی خشک دماغ کو صوفی اور تصوف کے نام یا اصطلاح یا اس کے علیحدہ و مستقل علم و فن ہونے سے بھڑک ہے تو پھر اس کو تفسیر و مفسر حدیث و محدث، فقہ و فقیہ، کلام و متکلم وغیرہ سب ہی جداگانہ دینی علوم و فنون اور ان کے عرفی اور اصطلاحی ناموں سے بھڑکنا چاہیئے اور اگر نام ہی سے چڑ ہے تو اس کا نام احسان یا علم قرب رکھ لو جیسا کہ بہت سے اکابر صوفیہ نے رکھا ہے۔

حضرت تھانویؒ نے حقیقت تصوف کے نام سے ایک مستقل رسالہ کی تمہید میں لکھا ہے۔

"شریعت میں جن اعمال کے کرنے کا حکم ہے وہ دو قسم کے ہیں۔ بعضوں کا تعلق ظاہری بدن یا ظاہری چیزوں سے ہے۔ جیسے کلمہ پڑھنا نماز روزہ حج، زکوٰۃ ماں باپ کی خدمت وغیرہ ان کو مامورات کہتے ہیں اور کلمات کفر کہنا، ترک اعمال کرنا، زنا چوری، سود خواری رشوت وغیرہ ان کو مناہی کہتے ہیں۔ بعض اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے جیسے ایمان، تصدیق، عقائد حقہ صبر و شکر، توکل، رضا، قضا، تفویض اخلاص، محبت خدا و رسول وغیرہ ان کو مامورات و فضائل کہتے ہیں اور عقائد باطلہ، بے صبری، ناشکری، ریا تکبر، عجب وغیرہ یہ مناہی اور رذائل ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے"

"جس طرح قرآن مجید میں اقیموا الصلوٰۃ و
اٰتوا الزکوٰۃ موجود ہے اسی طرح یا ایھا الذین ا
اصبروا اور واشکروا للہ بھی موجود ہے۔ اگر ایک
مقام پہ کتب علیکم الصیام اور وللہ علی
الناس حج البیت پاؤ گے تو دوسرے مقام پر یحب
و یحبونہ اور والذین اٰمنوا اشد حبا
بھی دیکھو گے جہاں اذا قاموا الی الصلوٰۃ ق
کسالیٰ اور اس کے ساتھ ہی یراؤن الناس بھی
ہے اگر ایک مقام پہ تارک الصلوٰۃ اور تارک زکوٰ
کی مذمت ہے تو دوسرے مقام پہ تکبر و عجب کا بُرا

بھی موجود ہے۔ اسی طرح احادیث کو دیکھو جس طرح ان میں ابواب صلوٰۃ، روزہ، بیع و شرا نکاح طلاق پاؤ گے، اسی طرح ابواب ریا، سمعہ و کبر وغیرہ بھی دیکھو گے۔"

" اس بات سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے کہ جس طرح اعمالِ ظاہرہ حکمِ خداوندی ہیں اسی طرح اعمالِ باطنہ بھی حکمِ الٰہی ہیں۔ کیا اقیموا الصلوٰۃ امر کا صیغہ ہے اور اصبروا امر کا صیغہ نہیں۔ کیا کتب علیکم الصیام سے روزہ کی مشروعیت اور مامور بہ ہونا ثابت ہے اور والذین امنوا اشد حباللہ سے محبتِ الٰہی کا مامور ہونا ثابت نہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری اعمال سب ہی باطن کی اصلاح کے لئے ہیں۔ اور باطن کی صفائی مقصود اور موجبِ نجات ہے اور اس کی کدورت موجبِ ہلاکت ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا بے شک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا اور جس نے اس کو میلا کیا ناکام رہا) اور یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم جس روز مال اور اولاد کام نہ آئیں گے مگر جو شخص اللہ کے پاس سلامتِ قلب لے کر آیا، دیکھو پہلی آیت میں تزکیۂ باطن کو موجبِ فلاح بتایا گیا ہے اور دوسری میں سلامتیٔ قلب کے بغیر مال اور اولاد سب کو غیر نافع بتایا گیا ہے۔"

" ایمان و عقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے قلب ہی کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ اعمال جتنے بھی ہیں سارے کے سارے ایمان ہی کی تکمیل کے لئے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے۔ قلب بمنزلہ بادشاہ کے ہے اور اعضا اس کے لشکر یا غلام ہیں۔ اگر بادشاہ درست ہو جائے تو توابع خود بخود اس کی مطابقت کرنے لگیں۔ جیسا کہ حدیث میں وضاحت کی گئی ہے اور یہ اُمور رات دن آنکھوں کے سامنے ہیں کہ جس چیز کا دھیان دل میں سما جاتا ہے سارے اعضا اس کی دُھن میں لگ جاتے ہیں۔ آنکھ اس چیز کو دیکھنے، کان اس کو سننے، ہاتھ اس کو پکڑنے اور پاؤں اس کی جانب چلنے کو چاہتا ہے خواہ وہ چیز بُری ہو یا بھلی مگر دل کا خیال ان اعضا کو اس کے کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ دُنیا پرستوں کو دیکھو کہ کس طرح دنیا کے کاموں میں سر سے پاؤں تک مشغول رہتے ہیں کہ ان کے کان میں اذان کی آواز تک نہیں آتی۔"

ایک بڑا مغالطہ

بڑے بڑے لوگوں کو ایک بڑا مغالطہ یہ ہے کہ قلب و باطن کی جس صفائی پر تصوف میں زور دیا گیا ہے وہ تو غیر مسلم اشراقیہ اور ہندو جوگیوں میں بکثرت اور بڑے بڑے خوارق کے ساتھ

پایا جاتا ہے۔ اس لئے بہتوں نے ان کو بھی صوفی
سمجھ رکھا ہے۔ الصوفی لا مذہب لہ کا مشرب کسی
خاص شریعت اور مذہب سے اتنا وسیع اور بلند
قرار دے دیا جاتا ہے کہ کفر اور اسلام کی قید سے بھی
آزاد ہو جاتا ہے۔ اس لئے حضرت نے متنبہ فرمایا کہ:
"تزکیہ و صفائی باطن کا اطلاق اس صفائی
پر کیا جاتا ہے جو شریعت کے احکام کی
پابندی سے حاصل ہو کیونکہ تزکیہ سے
مراد یہی وہ تزکیہ ہے جو موجبِ فلاح
ہے قد افلح من زکّٰھا اور ظاہر
ہے کہ فلاح منحصر ہے اتباعِ شریعت پر
پس ہندو جوگی وغیرہ جو ریاضت کرتے
ہیں وہ سرے سے صفائی ہی نہیں یا لغوی
معنی کے اعتبار سے اس کو صفائی کہو
تو ساتھ غیر مقبول کہنا ہوگا اس صورت
میں صفائی کی دو قسمیں ہوں گی ایک مقبول
دوسری مردود۔
آئینہ پر اگر گرد و غبار بیٹھا ہو تو ایک طریقہ
یہ ہے کہ اس کو صاف پانی سے دھو کر صاف
کر دیا جائے دوسری یہ کہ پیشاب سے
دھو کر گرد و غبار دور کر دیا جائے، لیکن ظاہر
ہے کہ شاہی دربار میں جس طرح پہلے آئینے
کو پیش کرنے سے انعام و خوشنودی کا
حق ہوگا۔ دوسرے کے پیش کرنے سے
عتاب و خفگی ہوگی۔ اسی طرح خلافِ شریعت
سے عقبیٰ میں کچھ فائدہ نصیب نہیں ہو سکتا
اور اصطلاح اور عرف میں تصوف اس علم
کا نام ہے جس پر عمل کرنے سے باطن کی
وہ صفائی نصیب ہوتی ہے جس سے انسان
مقبول بارگاہ اور صاحبِ مدارج و مقام
ہوتا ہے"

عشق و محبت

جو عشق و محبت تصوف کی جان ہے
اور جس سے تصوف کا سارا دفتر بھرا پڑا ہے
اور جو قلب و باطن ہی کی ایک اعلیٰ صفت و کما
ہے۔ اس کی راہ بھی خود نص کتاب سے تم
اتباع سنت و شریعت ہی ہے۔
محبتِ خدا و رسولؐ جو منجملہ صفات حمی
قلبیہ اور اعلیٰ درجے کی چیز ہے اس کا تعلق بھی اتبا
شریعت ہی سے ہے۔ بغیر اتباع شریعت محب
کہاں؟
قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔ دیکھو اس
میں اتباع رسولؐ ہی کو ذریعہ محبت بتایا گیا ہے
یہ الصوفی لا مذہب لہٗ کا مقام بعض جاہل
کے صوفیہ کے یہاں نام نہاد تزکیہ قلب کے لیے

اتنا اونچا ہو جاتا ہے کہ نماز روزہ تک نیچے پڑ جاتا ہے بلکہ سرے سے سارے احکام شریعت ہی اُٹھ جاتے ہیں۔ حالانکہ اسلام میں اور تصوفِ اسلام میں وہی صفاتِ قلب معتبر و مقبول ہیں جو نماز روزہ وغیرہ کے شروع مامور عبادات و احکام سے نصیب ہوتے ہیں مثلاً قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون میں خشوع جو صفتِ قلب ہے اس کو اسی صورت میں وسیلۂ نجات و فلاح فرمایا گیا ہے جو نماز کے اندر پایا جائے پس اگر سرے سے نماز ہی نہ پڑھی جائے تو نماز والا خشوع کس طرح میسر آسکتا ہے اور فلاح کا اثر کس طرح مرتب ہو سکتا ہے ایسے ہی زکوٰۃ، صدقہ و حج وغیرہ اعمال صالحہ سے جو اثر قلب پر پڑتا ہے اور اس سے صفائی میسر ہوتی ہے وہی مفید آخرت ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب تک انسان احکام شرع کی پابندی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہ کرے گا جنت و رضائے مولیٰ کہ جو مقصود اصلی ہے میسر نہیں آسکتا تو بلا پابندیٔ شرع کے تصوف کہاں؟ اسی طرح کرامت کی تعریف میں خرقِ عادات کے ساتھ یہ قید ہے کہ عبد صالح۔ متبع شریعت سے صادر ہو اور اسی طرح تصوف میں صفائی و تزکیہ باطن کے ساتھ یہ قید ہے کہ اتباع شریعت سے حاصل ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم باتفاق اُمت سارے اولیاء سے افضل ہیں مگر ان کا طریقہ بھی پابندی شریعت تھا اسی سے ان کے قلوب ایسے مجلّیٰ و محلّیٰ تھے کہ ان کے لئے خطاب "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کیا گیا۔۔

بہرکیف تصوف نام ہے صفائی باطن مع پابندیٔ شرع کا۔

فلسفہ کے ایک ولایتی ڈاکٹر اور پروفیسر جو بڑے تصوف دوست بھی ہیں۔ مگر ساتھ ہی تصوف کا وہی تصور رکھتے ہیں جو شریعت کا متبع اور پابند بنانے کی بجائے سرے سے ہر مذہب کی قید و بند سے آزاد کر دیتا ہے ان کو ایک دفعہ راقم نے حضرت کے مکتوبات پڑھنے کو دیئے کہنے لگے "بھائی ملائیت اور صوفیت کو خوب ہی ملایا ہے" بہرحال تمام اکابر محققین صوفیائے اسلام کے نزدیک تصوف اسلام وہی ہے جو شریعت کے ساتھ جمع ہی نہیں بلکہ عین شریعت ہے

تصوّف کی اصطلاح

اب رہ گیا اس زمانہ کا عرف تو اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ و اصول فقہ وغیرہ جُدا جُدا متمیز نہ تھے علمائے دین کی تائید و تبلیغ کے لیئے ایک ایک علم الگ کر کے اس کے قواعد مقرر کئے اس طرح علم تصوف کو بھی

مشائخ کرام نے قرآن و حدیث سے نکال کر باطن کی صفائی کے بعض اذکار و اشغال و مراقبات خاص طریقے سے بتلائے ہیں کہ ان پر عمل کر کے انسان کا تزکیۂ باطن جلد نصیب ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:

"جس طرح پچھلے زمانے میں قرآن و حدیث سے استنباط کر کے بہت سے علوم نکالے گئے اور ہر ایک کا جداگانہ نام تجویز ہوا اور ان کے واضعین کو سب نے امام مانا حتیٰ کہ امام شافعیؒ ایسے لوگوں کو امام ابو حنیفہؒ کی شان اور فقہ فی الدین دیکھ کر "الناس فی الفقہ عیال ابی حنیفہ" کہنا پڑا۔ امام بخاریؒ حدیث میں ایسے امام مانے گئے کہ آج تک ان کی محدثیت کا ڈنکا پٹ رہا ہے۔ اسی طرح تزکیۂ باطن کے بتانے والے ایسے بزرگانِ دین گذرے ہیں کہ ان کو سب نے پیشوا مانا ہے۔ جیسے پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ خواجہ بہاؤ الدینؒ، خواجہ معین الدین چشتی اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان سے قبل حضرت جنید بغدادیؒ اور شیخ شبلی وغیرہ۔ اور جس طرح اور علوم میں پچھلوں کو اگلوں کی تقلید و پیروی سے چارہ نہیں اسی طرح علمِ تصوف میں بھی بدوں اتباع طریقۂ بزرگان چارہ نہیں۔ گو ایک درجہ کا تزکیہ جو موجب نجات ہے بدوں اتباع شائخ طریق بھی میسر ہو سکتا ہے مگر وہ کہ جو امر مطلوب ہے اور کمال کہلاتا ہے اس کا حصول بدوں صحبت کاملین اور متبعین مشائخ کے ممکن نہیں۔

اور جس طرح علوم مستخرجہ و مستنبطہ کا خاص نام ہو گیا جیسے علم فقہ و علم حدیث اسی طرح مشائخ کے اس خاص مستخرجہ طریقہ کا نام تصوف ہو گیا اگر کوئی شرح وقایہ یا ہدایہ پڑھتا ہے تو کہتے ہیں فقہ پڑھتا ہے اور اگر تفسیر یا حدیث پڑھتا ہو تو یوں نہیں کہتے کہ فقہ پڑھتا ہے حالانکہ فقہ بالمعنی الاعم میں بہت سے علوم حدیث تفسیر حتیٰ کہ علوم کلام وغیرہ بھی داخل ہیں۔

"اسی طرح جب کوئی مشائخ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق تزکیۂ باطن کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ تصوف سیکھتا ہے یا صوفی ہے اور صرف نماز روزہ کرنے والے کو صوفی نہیں کہتے۔ حالانکہ تصوف و

تزکیہ بالمعنی الاعم سب کو شامل ہے"

ماحصل یہ ہے کہ پورا دین نام ہے فلاح آخرت اور رضائے الٰہی کے حاصل کرنے کا اور جیسا کہ الظاہر والباطن کی مخلوق و مظہر ساری کائنات کا ہر ہر ذرہ ظاہر و باطن دونوں کا مظہر ہے اور انسان اسی کا مظہر اتم ہے اسی طرح اس کو اپنے کمال مقصد تک پہنچنے کے لئے جو صراط مستقیم بتائی گئی ہے اس کے بھی دو رخ ہیں ظاہر اور باطن یا قلب اور قالب ظاہری علوم دین کا تعلق ظاہری اعمال و احکام یا ظاہر کی درستی و آراستگی سے ہے اور علم باطن یا تصوف کا تعلق باطن کی درستی و آراستگی سے ہے۔

اس لئے دین میں کمال رسمی اور حقیقت یابی بلا تصوف ممکن نہیں خواہ اس دعویٰ سے اہل قشر کتنا ہی ناخوش ہوں، مگر مغز، مغز ہی ہے البتہ بے مغز مدعیان تصوف بھی آگاہ رہیں کہ مغز قشر کے اندر ہی ملتا ہے اور قشر یا ظاہر ہی مغز یا باطن کا محافظ ہوتا ہے۔

تصوف سے توحش کی وجہ

اسلامی تصوف کی اس حقیقت اور اہمیت کے باوصف کہ وہ عین دین اور کمال اسلام کے سوا کچھ نہیں، جس سے دور ہو کر مسلمان بہ حیثیت مسلمان "حسنہ دنیا" سے بھی دور سے دور تر ہوتے جا رہے ہیں پھر بھی اہلِ دنیا ہی کو نہیں بلکہ بعض علمائے دین تک کو تصوف کے غیر دین یا طریقت کے خلاف شریعت ہونے کے بہت سے حقائق و معارف اشغال و اذکار، مجاہدات و مراقبات، بیعت و نسبت کی خاص خاص صورتوں کا ان حضرات کو کتاب و سنت کی عام و منصوص تعلیمات میں بظاہر نام و نشان نہیں ملتا اور مغالطہ یہ ہو گیا ہے کہ تصوف و طریقت کی تصوف و طریقت کی اصل حقیقت یہی "بدعات" ہیں۔

سو تصوف کی اصل حقیقت کی نسبت تو حضرت تھانوی نے واضح فرما دیا کہ وہ انسان کے ظاہر و قالب کی طرح قلب و باطن کی صلاح و اصلاح کے ان ہی احکام کا عرفی و اصطلاحی نام ہے جو ظاہر کے فقہی احکام کی طرح خود قرآن و حدیث میں منصوص ہیں اور اس طرح تصوف "ملا پن" کے سوا کچھ نہیں ایک موقع پر اصطلاح کے جھگڑے سے بے زار ہو کر فرمایا:۔

"ہم نہیں جانتے درویشی کیا ہے یہاں تو "ملا پن" ہے طالب علم ہیں صاحبِ علم بھی نہیں، پس قرآن و حدیث پر عمل کرنے کا سلیقہ سکھاتے ہیں اسی میں جو کچھ کسی کو ملنا ہوتا ہے